التقریظ والانتقاد

مختصر سیرت قرآنیہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم[1]

از

(سعید احمد)

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا ام المومنین کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ قرآن مجید تو وہ ہے جو مابین الدفتین مکتوب ومحفوظ ہے لیکن اگر کسی کو قرآن کا عملی پیکر اور اس کی ایک زندہ و متحرک تصویر دیکھنی ہو تو آنحضرت کو دیکھے اسی بنا پر بعض علماء نے کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا خاکہ قرآن مجید کے موئے قلم سے تیار کریں۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے لیکن اس کے مرتب پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب نے اس میدان میں سب سے ہی الگ ایک نئی راہ نکالی ہے یعنی ایک تو یہ کہ آپ نے قرآن مجید کا مطالعہ اس کے ترتیب نزولی کی روشنی میں کیا ہے اور دوسرے یہ کہ اگرچہ عنوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے لیکن درحقیقت آپ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی آڑ لے کر اسلام کی اصل حقیقت کو اپنی فہم وفکر کے مطابق بیان کر جائیں۔ کتاب ایک مقدمہ اور دس فصلوں پر مشتمل ہے مقدمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ واقعات زندگی تاریخی ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں جن کا تعلق زمانہ قبل بعثت سے ہے اس کے بعد دس فصلوں میں بعثت سے وفات تک کے واقعات کا اسی تاریخی ترتیب سے بیان ہے، لائق مولف کا جذبہ۔ محنت اور ذوق تحقیق لائق داد ہے جس کے باعث وہ ایک

[1] از جناب محمد اجمل خاں صاحب ایم۔ اے تقطیع متوسط کتابت وطباعت بہتر۔ ضخامت ۲۷۱ صفحات قیمت قسم اول پانچ روپیہ اور قسم دوم چار روپے۔ ملنے کا پتہ:- (۱) نگم کتاب گھر اردو بازار دہلی (ہند) (۲) مکتبہ بیت الحکمت اردو بازار لاہور (پاکستان)

عرصہ سے قرآن مجید کا مطالعہ ایک مخصوص زاویہ نگاہ کے ساتھ بڑے انہماک سے کر رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ وہ اس مطالعہ کے بعد جن نتائج تک پہنچے ہیں ان میں سے اکثر ہمارے نزدیک غلط اور سخت گمراہ کن ہیں اس سلسلہ میں پہلی بات جو بنیادی طور پر یاد رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ جس طرح ہر علم و فن کے چند اصولِ موضوعہ ہوتے ہیں جن پر اس علم و فن کے تمام کلیات و جزئیات اور اصول و فروع کی بنیاد قایم ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح ہر مذہب کے بھی چند اصولِ موضوعہ ہوتے ہیں جو اس کے تمام احکام و مسائل کے لئے اساس کا کام دیتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اصول موضوعہ اپنی صحت کے لئے کسی عقلی استدلال و منطقی ثبوت کے محتاج نہیں ہوتے مثلاً عربی نحو میں یہ مسلم ہے کہ ہر فاعل مرفوع ہوگا اور ہر معفول منصوب تو اب اس کے ثبوت کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بس یہی حال اسلام کے اصول موضوعہ کا ہے جن کا ماننا ہر شخص کے لئے خواہ موافق ہو یا مخالف بہر حال ضروری ہے ایک شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اصولِ موضوعہ میں سے کسی اصل کی معقولیت کو بھی تسلیم نہ کرے یہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ بغیر اس اصل کو مانے نہیں سمجھا جا سکتا

اسلام کے اصولِ موضوعہ کیا ہیں؟ چند عقائد اور چند مخصوص عبادات جناب محمد اجمل خاں صاحب کی سب سے بڑی فروگذاشت یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں اسلامی عبادات کی کوئی اہمیت ہی نہیں دکھائی ہے۔ نماز کی حقیقت ان کے نزدیک تقریباً وہ ہی ہے جو عیسائیوں کے ہاں پریر (Prayer) کی ہے یعنی ایک جگہ جمع ہو جانا اور کچھ دعا مانگ لینا۔ چنانچہ لکھتے ہیں قرآن نے بتایا ہے کہ اسلامی نماز یا دعا یا اللہ سے مدد مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ (الف) سوائے اللہ کے کسی کو قادر نہ سمجھو۔ اس لئے اسی سے مدد مانگو ـــــ الخ (ص ۱۶۷)

اسی طرح فرضیت صیام کا بھی تذکرہ کیا لیکن اس طرح کہ گویا روزے ہنگامی علاج کے پیش نظر فرض کئے گئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اب وہ ہنگامی حالات نہیں

ہیں تو روزہ رکھنا ضروری بھی نہیں ہوگا۔ لکھتے ہیں

"روزہ کا مقصد ہی جہاد تھا یعنی جس طرح سراپا بھیج کر مشق کرائی جاتی تھی اسی طرح بھوکے رہ کر مشقت اور انفاق کی عادت ڈالی جاتی تھی منشا یہ تھا کہ لوگ کم کھائیں اور جن سے ہو سکے وہ اپنے غریب ساتھی کو کھلائیں۔ مسلمانوں پر بعد ہجرت بہت ہی سخت زمانہ تھا۔ اور اس کے سوا چارہ نہ تھا" ص ۱۹۴

پوری کتاب پڑھنے کے بعد یہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جس طرح ہندو مذہب اور عیسائیت میں نیکی اور بدی کے متعلق چند مبہم اور گول گول سی باتیں ہیں یعنی یہ کہ خدا پرستی کرو۔ اور کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ خاں صاحب اسلام کو بھی کھینچ تان کر اسی سطح پر لے آئے ہیں۔ حالانکہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی اور بہر جہت کامل ایک دستورِ حیات ہے چنانچہ اسی جذبہ کے ماتحت انھوں نے سورۃ الفاتحہ میں نعبد کے معنی میں بھی ایسا تصرف کیا ہے جو عربی کے قواعد کے لحاظ سے بالکل نادرست ہے موصوف کے نزدیک نعبد کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے

"ہم سب مانتے ہیں کہ سوائے تیرے ہمارا کوئی آقا نہیں اس لئے ہم تیری بندگی کا اعلان کرتے ہیں اور ہم سب صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے دیوتا وغیرہ سے مدد نہیں مانگتے اس لئے کہ وہ خود مخلوق و لاچار ہیں)"

سوال یہ ہے کہ عبادت کے معنی بندگی کا اعلان کرنا کون سی لغت میں لکھے ہوئے ہیں۔ شاہراہِ عام سے ہٹ کر اگر کوئی بات کہی جائے تو ضروری ہے کہ اس کے لئے دلائل و شواہد فراہم کئے جائیں مگر افسوس ہے کہ خاں صاحب نے ترجمہ میں جگہ جگہ عجیب جدتیں کی ہیں مگر حوالہ کہیں پر بھی نہیں دیا۔ مثلاً اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

"(۱) بنئے اس آقا کے نام سے وعظ و نصیحت (یا حمد) شروع کر جس نے خلق کیا ہے اس لئے (کہ) جل

کائنات) انسان کو انس (علق) محبت کا پتلا بنایا ہے اے محمد تو یہ اعلان کر دے کہ تیرا آقا نہایت ہی کریم ہے... اس آقا کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے انسان کو علم حاصل کرنے کا آلہ قلم (یعنی عقل) عطا فرمایا اور اس کے ذریعہ سے علم دیا۔ اب غور کیجئے قرآن کی صرف دو سطروں کا ترجمہ ہے لیکن کس قدر غور طلب ہے!

(الف) لائق مؤلف نے اقرء کے معنی ایک جگہ وعظ و نصیحت شروع کرنا بیان کئے ہیں اور دوسری جگہ اس کے معنی اعلان کرنا بتاتے ہیں۔ حالانکہ قراءت عربی زبان کا کوئی عجیب لفظ نہیں ہے جس میں زیادہ کھینچ وکاؤ کی ضرورت ہو ہر شخص جانتا ہے اس کے معنی پڑھنا ہیں۔ اِقْرَءْ امر کا صیغہ ہے تو اس کے معنی "پڑھ" ہوئے جناب خاں صاحب کو اس کا بھی دھیان نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِقْرَءْ کے جواب میں "لست بقارئٍ" فرمایا تھا۔ اب اگر خانصاحب کے بیان کردہ معنی ہی مراد لئے جائیں۔ تو ایک جگہ اس کا ترجمہ ہو گا "میں وعظ و نصیحت یا حمد شروع کرنے والا نہیں ہوں۔ اور دوسری جگہ اس کا ترجمہ ہو گا کہ میں اعلان کرنے والا نہیں ہوں" خانصاحب بتائیں کہ آنحضرت کا اپنے متعلق مذکورۂ بالا دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو فرمانا بھی صحیح ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ آپ وعظ و نصیحت اور حمد کرنے والے بھی تھے اور احکام خداوندی کا اعلان کرنے والے بھی

(ب) خانصاحب "رب" کے معنی آقا کرتے ہیں اور آقا بھی وہ جو ہر زمانہ میں خود غرض اور ظالم ہوتے رہے ہیں (ص ۳۷) لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اگرچہ لغوی اعتبار سے رب کے معنی آقا یا مالک کے آتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ہے "ھو رب کل شئ" یا حدیث اشراط الساعۃ میں ہے "وان تلد الامۃ ربتہا" لیکن علمائے لغت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ جب کبھی رب کا لفظ مطلق ہو گا تو اس سے خدا ہی مراد ہو گا۔ اور اس وقت اس سے مراد "پروردگار" کے معنی ہوں گے۔ اگرچہ جو پروردگار ہو گا وہ مالک یا آقا ضرور ہو گا۔ اور اگر رب کا اطلاق غیر اللہ پر ہو تو وہ لازمی طور پر مضاف ہو کر مستعمل ہو گا اور اس وقت مضاف الیہ کے قرینہ سے اس کے معنی مالک یا آقا کے ہو سکتے ہیں مثلاً

اذا کان رب البیت بالطبل ضاربًا فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

یا مثلاً رب الدار ۔ رب السجن ۔ ربات الاحجال ۔ ربات الخدور وغیرہ
چونکہ رب کا لفظ جب خدا کے لئے بولا جاتا ہے اس وقت اس کے معنی پروردگار
کے بھی ہوتے ہیں اسی بنا پر ایک حدیث میں جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت کی ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا کو رب کہہ کر پکارے
ظاہر ہے کہ اگر خدا پر رب کا اطلاق بمعنی مالک یا آقا ہی ہوتا تو ممانعت کی کوئی ضرورت نہیں
تھی کیونکہ مالک یا آقا کا لفظ تو خدا اور وہ شخص دونوں پر بولا جا سکتا ہے ۔

(ج) سب سے زیادہ غضب وربک الاکرم الآیۃ کے ترجمہ میں کیا گیا ہے
خاں صاحب نے اِقرء کے معنے " اعلان کرنا " لئے اور وربک الاکرم کو اس کا مفعول
واقع کیا ۔ حالانکہ وربک میں واو حالیہ ہے اور یہ پورا جملہ اقرء میں جو ضمیر خطاب مستتر
ہے اُس سے حال ہے ۔

(د) اسی طرح علق کے معنی انس و محبت کے مراد لئے ہیں حالانکہ خلق اس بات
کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں علق سے مراد دمِ جامد ہے علاوہ بریں قرآن مجید میں کئی ایک
مواقع پر آیا ہے ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً " تو کیا یہاں بھی علقۃ کے معنی انس و محبت
ہی کے لئے جائیں گے پھر لایق مؤلف کو یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ علق کے معنی اگرچہ
محبت کے آتے ہیں لیکن وہ محبت جس کی بنیاد صنفی میلان پر ہو اور جس کو عربی میں ھوی
کہتے ہیں ۔ لسان العرب میں لحیانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ العلق الھوی یکون
للرجل فی المرأۃ ۔ چنانچہ کثیر عزہ کا شعر ہے

ولقد اردت الصبر عنک فعاقنی علقٌ بقلبی من ھواک قدیم

(باقی آئندہ)